ترقی کے اس مرحلہ پر جوش سے زیادہ ہوش کی اور بہادری سے زیادہ ٹھنڈے دماغ کے ساتھ ٹھوس اور تعمیری کاموں کو انجام دینے کی ضرورت ہے اور افسوس ہے کہ مسلمانوں میں ایسے ہی افراد کی کمی ہے، آج ہمارے کتنے تعلیمی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی مسائل و معاملات ہیں جو ایک عمدہ تنظیم اور جماعتی اتحاد و اتفاق کے ساتھ خاموشی اور استقلال سے کام کرنے کے مقتضی ہیں اور محض بزم آرائی اور کانفرنسوں میں چند تجاویز پاس کر دینے سے اُن کا حل دستیاب نہیں ہوتا. مثال کے طور پر صرف ایک دینی تعلیم کے مسئلہ کو لیجئے بمبئی کی کنونشن نے اس مقصد کے لئے ایک مرکزی بورڈ تو بنا دیا ہے لیکن اس بورڈ کو پورے ملک میں دینی مکاتب قایم کرنے کے لئے کتنا روپیہ درکار ہوگا۔ کتنے مخلص اور لایق کارکن درکار ہوں گے۔ اور ان سب مکاتب کی نگرانی کے لئے بورڈ کو جگہ جگہ کتنے ادارے قایم کرنے ہوں گے۔ جب ان سب چیزوں کا تصور کیا جاتا ہے تو اس منصوبہ کی تکمیل جوئے شیر لانے سے کم مشکل نظر نہیں آتی لیکن عوام اور خواص دونوں میں اس مسئلہ کی اہمیت کا صحیح احساس پیدا ہو جائے تو اس کی تکمیل کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ بہرحال مستقبل ہی یہ فیصلہ کرے گا کہ ہم نے آج اپنے قومی پلیٹ فارم پر جن کاموں کی انجام دہی کا عہد و پیمان کیا ہے انھیں ہم کہاں تک پورا کر سکے ہیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ حکومتِ ہند کی لاکھوں روپیہ کی فیاضانہ امداد و اعانت سے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں اسلامی تحقیقات اور ہندوستان کی تاریخ قرونِ وسطیٰ کی تحقیقات کے لئے دو مستقل شعبے قایم ہو گئے ہیں۔ پہلے شعبہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عبدالعلیم صدر شعبہ عربی اور دوسرے کے پروفیسر شیخ عبدالرشید مقرر ہوئے ہیں۔ دونوں شعبوں نے اپنا کام سرگرمی کے ساتھ شروع کر دیا ہے۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ان دونوں شعبوں کے لئے کام کے پروگرام اور اس کی ترتیب کی شکل کیا ہے لیکن یہ حقیقت غالباً مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے ذمہ دار اصحاب پر پوشیدہ نہ ہوگی کہ تاریخ ہند اور اسلامیات دونوں ایسے موضوع ہیں جن پر اگرچہ اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اب بھی ایک بہت بڑا میدان ہے جو خالی پڑا ہوا ہے اسے صحیح نقطۂ نظر

اور تحقیق و بصیرت کے ساتھ طے کرنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ کو صرف واقعات کی کھتونی نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اسے یہ بھی بتانا چاہئے کہ جو واقعات پیش آئے ان کے اقتصادی، سماجی، سیاسی اور مذہبی اسباب و عوامل کیا تھے! ان واقعات نے اس زمانہ میں مجموعی حیثیت سے ملک کی تہذیب و تمدن اور اس کے عام اقتصادی اور ثقافتی حالات پر کیا اثر ڈالا، انھوں نے ملک کو اونچا کیا یا نیچا اور یہ سب کچھ کسی ایک مخصوص نظام فکر کا نتیجہ تھا یا محض بخت و اتفاق تھا جو ظہور میں آگیا۔ اگر تاریخ اس نقطۂ نظر کے ساتھ مرتب کی گئی تو وہ صرف ایک فن کی خدمت نہیں ہوگی۔ بلکہ ملک کی بھی بڑی خدمت ہوگی اور اس کے ذریعہ ان لوگوں کو اپنی رائے پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوگی جو کہتے ہیں کہ ہندوستان ڈیڑھ سو دو سو سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال بعد آزاد ہوا ہے۔

اسلامی تحقیقات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اور اہم ضرورت ان تین عنوانوں پر کام کرنے کی ہے (۱) تاریخ اسلام۔ (۲) فلسفۂ اسلام۔ (۳) اور اسلامی دینیات، کتنے افسوس کی بات ہے کہ یونیورسٹیوں میں مذکورۂ بالا تین مضامین کے جو پرچے ہوتے ہیں ان کی تیاری کے لئے ہمارے نوجوان طلبا، طالبات اور اساتذہ سب اُن کتابوں پر اعتماد کرنے کے لئے مجبور ہیں جو یورپ اور امریکہ میں لکھی گئی ہیں۔ مستشرقین یورپ کا علمی ذوق۔ محنت و جستجو۔ ترتیب مواد اور تصنیف و تحقیق کی صلاحیت و استعداد سب مسلم! لیکن اُن کا نقطۂ نظر چونکہ اسلامی نہیں ہوتا اور وہ اسلامی احکام و مسائل کی اصل اسپرٹ سے براہِ راست واقف نہیں ہوتے اس بناء پر ان کی تحقیق کے جو نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں وہ بسا اوقات صحیح نہیں ہوتے اور ان سے طرح طرح کی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس بنا پر سخت ضرورت ہے کہ صحیح الخیال محقق مسلمان اسلامی تاریخ و فلسفہ اور اسلامی دینیات پر خود انگریزی میں کتابیں لکھیں تاکہ تصویر کا صحیح رُخ سامنے آسکے۔ یہ کام ظاہر ہے کہ ایک دو سال کا نہیں برسوں کا ہے اور ایک دو آدمیوں کے کرنے کا نہیں۔ بلکہ پوری ایک جماعت یا بورڈ کے کرنے کا ہے اور پھر ضمنی طور پر کرنے کا نہیں بلکہ مستقل طور پر ایک اصلی اور بنیادی حیثیت سے انجام دینے کا ہے اگر مسلم یونیورسٹی کا شعبۂ تحقیقاتِ اسلامی یہ کر سکا تو بے شک علم و فن کی ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت کی وہ ایک بہت بڑی خدمت انجام دے گا اور اس کو کہنے کا حق ہوگا کہ

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم!

یہ چند سطریں صرف توجہ دلانے کی غرض سے لکھی گئی ہیں۔ ورنہ مسلم یونیورسٹی کے بیدار مغز اور وسیع النظر وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور ان کے لائق و فاضل رفقائے کار سے خود یہ حقیقت پوشیدہ نہ ہوگی!۔